قرآن حکیم

کا

تصورِ ملکیت

از قلم

مولانا محمد طاسین صاحب

ناظم مجلس علمی، کراچی

شائع کردہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

یہ مقالہ

۲۲ مارچ ۷۶ء

کی شام کو ٹاؤن ہال لاہور میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیرِ اہتمام منعقدہ

تیسری سالانہ قرآن کانفرنس

میں پیش کیا گیا

★

بار اوّل ــــــــــــــــــ ۱۰۰۰

مارچ ۷۶ء

ناشر: مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۱۲ ، افغانی روڈ ، سمن آباد ۔ لاہور

طابع: چوہدری رشید احمد

مکتبہ: جدید پریس ۔ شارع فاطمہ جناح لاہور

بسم اللہ الرّحمٰن الرحیم

قرآن کا تصورِ ملکیت

الہامی ہوں یا غیر الہامی ، دینی ہوں یا لادینی ، قدیم ہوں یا جدید ، ہر دستور و آئین اور ہر ضابطہ قوانین اور نظام شریعت میں بطورِ ایک انسانی حق کے شخصی ملکیت کا ذکر ضرور ملتا ہے ۔ حتیٰ کہ آج سوشلسٹ ممالک کے جو دساتیر اور نظام ہائے قانون ہیں اُن میں بھی شخصی ملکیت کا ذکر بنیادی انسانی حق کی حیثیت سے واضح طور پر موجود ہے یہ دوسری بات ہے کہ اُن کے ہاں شخصی ملکیت کا دائرہ تنگ اور صرف ذاتی استعمال کی چیزوں تک محدود ہے ذرائع پیداوار اُس میں داخل نہیں ، اس کا بیان روسی دستور کی دفعہ نمبر دس میں پوری صراحت کے ساتھ موجود ہے ۔

ادارہ اقوام متحدہ جو آج اقوام عالم اور پوری انسانیت کا سب سے بڑا نمائندہ ادارہ ہے جس کے ممبر ہر مکتب خیال کے انسان ہیں ؛ خدا کو ماننے والے بھی اور خدا کے منکر بھی ، الہامی مذاہب پر ایمان رکھنے والے بھی اور لادینیت کے علمبردار بھی ، نیز سوشلزم کے حامی بھی اور کیپیٹل ازم کے دلدادہ بھی ، اسی طرح یورپی اور امریکی بھی اور ایشیائی اور افریقی بھی ، آریائی بھی اور سامی النسل بھی ، اس عالمی ادارے کا بنیادی انسانی حقوق سے متعلق جو منشور ہے اُس میں فرد کی شخصی ملکیت کا نہایت واضح الفاظ میں اقرار اور اعلان ہے ۔ اس کا مطلب یہ کہ شخصی ملکیت کے جواز پر پوری انسانیت کا اتفاق اور اجماع ہے گویا یہ

اُن مُسلّمہ اقدار اور عالمگیر صداقتوں میں سے ایک ہے جن کو انسانیت نے ہمیشہ اچھی نظر سے دیکھا اور قابلِ احترام سمجھا، اور اُن فطری حقیقتوں میں سے ایک ہے جس کی ضرورت ہمیشہ محسوس کی گئی اور انسانی فطرت کبھی اُن سے مستغنی اور بے نیاز نہ ہو سکی۔

بہر حال یہ واقعہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شخصی ملکیت سے انسان کی بہت سی انفرادی و اجتماعی اور روحانی و مادی ضرورتیں اور مصلحتیں وابستہ ہیں جو شخصی ملکیت کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں، اپنے شخصی مال ہی کے ذریعے فرد اپنے وہ مالی فرائض انجام دے سکتا ہے جن پر معاشرتی تعلقات کی استواری اور تمدن و اجتماع کی بقا اور تعمیر و ترقی کا دار و مدار ہوتا ہے اسی طرح جن مالی امور کے ذریعے فرد کو اخلاقی فضیلت اور روحانی عظمت حاصل ہوتی ہے جیسے صدقات، انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ وغیرہ وہ بھی مال کی شخصی ملکیت کے بغیر انجام نہیں دیئے جا سکتے، نیز شخصی ملکیت نہ ہو تو افراد اپنی ضرورت سے زیادہ مال و دولت کمانے کے لئے محنت و مشقت اور جدوجہد نہیں کر سکتے جس کی معاشرے کو ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ شخصی ملکیت نہ ہوتی تو انسانوں اور عام حیوانوں کی طرزِ زندگی میں کچھ خاص فرق نہ ہوتا۔

قرآن حکیم چونکہ انسانی حقوق کا محافظ، عدل و انصاف کا علمبردار، حقائقِ فطرت کا ترجمان، اعلیٰ انسانی اقدار اور عالمگیر سچائیوں کا مجموعہ، مصالح بشریہ کا نگہبان اور اصولِ اجتماع و تمدن کا معلّم اور مبلّغ ہے لہذا کیسے ممکن تھا کہ وہ افراد کی شخصی ملکیت کو نہ مانتا، اور اُس کو وہ اہمیت نہ دیتا جس کی کہ وہ مستحق تھی۔

قرآن حکیم میں جو معاشی تعلیمات ہیں وہ دراصل افراد کی شخصی ملکیت پر مبنی ہیں لہذا اگر شخصی ملکیت کا انکار کر دیا جائے تو اس سے قرآن حکیم کے ایک بڑے حصے کا انکار ہو جاتا ہے، قرآن حکیم میں زکاۃ و صدقات، انفاق فی سبیل اللہ اور قرض حسنہ، مالی احسان و ایثار، مہر اور بدل خلع، نفقہ اور حضانت، مال یتیم کی حفاظت، دیت و خون بہا، وصیت اور وراثت، بیع و شراء بخس اور ناپ تول میں کمی، امانت و خیانت، سود اور قمار، چوری اور رشوت، بخل و سخاوت اور اسراف و تبذیر وغیرہ کے متعلق جو احکام ہیں وہ اس بات کا بیّن اور قطعی ثبوت ہیں کہ قرآن حکیم

شخصی ملکیت کے وجود اور جواز کا قائل اور اُس کا پورا تحفظ چاہتا ہے کیونکہ ان مذکورہ الفاظ میں سے ہر لفظ کا جو عرفی معنی و مفہوم اور اس کی جو تعریف اور ماہیت ہے شخصی ملکیت اُس کا ایک لازمی جزو اور لاینفک حصہ ہے یہاں تک کہ شخصی ملکیت کے بغیر ان کا تصور بھی ممکن نہیں چہ جائیکہ ان کا عملی مفہوم و مطلب، غرضیکہ اگر شخصی ملکیت کی نفی کر دی جائے تو پھر مذکورہ امور اور ان کے متعلق قرآنی احکام کا کوئی معنیٰ و مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور وہ مہمل اور فضول قرار پاتے ہیں لہذا قرآن مجید پر ایمان رکھنے والا کبھی بھی افراد کی شخصی و انفرادی ملکیت کا انکار نہیں کر سکتا، اور قرآن کا کچھ بھی علم رکھنے والا کبھی بھول کر بھی نہیں کہہ سکتا کہ قرآن حکیم شخصی ملکیت کو نہیں مانتا۔

بنا بریں قرآن کے تصور ملکیت کی بحث میں، اس پہلو پر بحث کرنا کہ قرآن مجید شخصی ملکیت کو مانتا ہے یا نہیں مانتا؟ ایک بدیہی چیز کو نظری بنانا اور خواہ مخواہ وقت ضائع کرنا ہے، اس بحث میں میرے پیش نظر جو پہلو ہیں اُن میں سے ایک یہ کہ قرآن مجید کے نزدیک انسان کی شخصی ملکیت کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اور دوسرا پہلو یہ کہ قرآن حکیم کے نزدیک وہ اسباب کیا ہیں جن کی بنا پر کوئی شخص کسی چیز کا مالک قرار پاتا ہے ابتدائی ملکیت کے اسباب کیا ہیں اور انتقال ملکیت کے اسباب کیا ہیں؟ اور پھر تیسرا پہلو یہ کہ قرآن مجید، ذرائع پیداوار اور اشیائے صرف دونوں کے متعلق فرد کی شخصی ملکیت تسلیم کرتا ہے یا بعض چیزوں کے متعلق تسلیم کرتا ہے اور بعض کے متعلق نہیں کرتا؟ فقط یہ تین پہلو ہیں جن پر مجھے اس مقالے میں کچھ عرض کرنا ہے۔

اوّل الذکر کے متعلق عرض ہے کہ جہاں تک حقیقی، کامل اور دائمی ملکیت کا تعلق ہے وہ صرف اللہ تعالےٰ کے لئے مخصوص ہے دوسرا کوئی اُس کے ساتھ اس میں شریک نہیں، صرف وہی ہر شے کا حقیقی، مستقل، کامل اور دائمی مالک ہے انسان اس معنے کر کے نہ کسی شے کا مالک ہے اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ دوسری تمام اشیاء کی طرح وہ بھی اللہ تعالےٰ کا مملوک ہے، کیونکہ حقیقی ملکیت کا مطلب ہے کسی شے میں تصرف کر سکنے کا ذاتی اختیار جو کسی کو دوسرے کی طرف سے نہیں بلکہ خود بخود حاصل ہوا ہو۔ کامل ملکیت کا مطلب ہے کسی شے میں تصرف کر سکنے کا پورا اور کلی اختیار جس میں دوسرے کی طرف سے کسی تصرف پر کوئی پابندی نہ

ہو۔ اور دائمی ملکیت کا مطلب ہے کسی شے میں تصرف کا ابدی اور دائمی اختیار جو کبھی بھی زائل اور ختم نہ ہو سکتا ہو، اور چونکہ ایک انسان کو کسی شے میں تصرف کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اُس کا ذاتی نہیں ہوتا بلکہ مالک حقیقی کا عطا کردہ ہوتا ہے، اسی طرح وہ ہر تصرف کا کلی اختیار نہیں ہوتا بلکہ بعض تصرفات کا جزوی اور ناقص اختیار ہوتا ہے یعنی وہ ہر تصرف میں آزاد نہیں ہوتا بلکہ بعض تصرفات میں آزاد اور بعض میں مالک حقیقی کی طرف سے پابند ہوتا ہے۔ نیز اُسے جو اختیار تصرف حاصل ہوتا ہے وہ دائمی اور ناقابل زوال نہیں ہوتا بلکہ وقتی اور قابل زوال ہوتا ہے لہذا کوئی انسان کسی شے کا حقیقی، کامل اور دائمی مالک نہیں ہوتا اور نہ کبھی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ کسی شے کا حقیقی مالک صرف وہ ہو سکتا ہے جس نے اُس شے کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا ہو، اور چونکہ اللہ ہی نے ہر شے کو پیدا کیا اور وہی ہر شے کا خالق اور پروردگار ہے اس کے سوا دوسرا کوئی کسی شے کا خالق اور پروردگار نہیں لہذا ہر شے کا حقیقی مالک بھی اللہ تعالےٰ ہے۔ اسی طرح ہر شے کا کامل مالک بھی صرف وہ ہو سکتا ہے جو اُس میں ہر تصرف کی قدرت رکھتا اور جس کا ہر تصرف صحیح اور درست ہو، اور چونکہ یہ شان بھی صرف اللہ تعالےٰ ہی کی ہے وہ ہر شے میں ہر تصرف کی کامل قدرت بھی رکھتا ہے اور اُس کا ہر تصرف ہمیشہ صحیح اور درست ہوتا ہے، اللہ کے سوا دوسرا کوئی نہ تو ہر تصرف کی قدرت رکھتا اور نہ کسی کا ہر تصرف صحیح و درست ہوتا ہے لہذا اللہ تعالےٰ ہی ہر شے کا کامل مالک ہے کوئی انسان کسی چیز کا کامل مالک نہیں، نیز ہر شے کا دائمی مالک بھی صرف وہ ہو سکتا ہے جو ہمیشہ قائم اور باقی رہنے والا ہو اور جس کے لئے فنا اور ہلاکت نہ ہو، اور چونکہ یہ شان بھی صرف اللہ تعالےٰ ہی کی ہے وہی ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے اُس کے سوا اور کسی کے لئے دائمی حیات و بقا نہیں كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ہ لہذا اللہ تعالےٰ کے سوا دوسرا کوئی کسی شے کا دائمی مالک نہیں۔

غرضیکہ جہاں تک حقیقی، مستقل، کامل اور دائمی ملکیت کا تعلق ہے اللہ تعالےٰ ہی ہر شے کا مالک ہے کوئی انسان اس لحاظ سے کسی چیز کا مالک نہیں۔ قرآن حکیم میں ایسی آیات کی تعداد بیس سے زیادہ ہے جن میں حصر کے ساتھ یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے مثلاً

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ہ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ہ

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بیشک اللہ ہی غنی اور مستحق حمد و ثنا ہے۔

چونکہ اس قسم کی قرآنی آیات میں لام تملیک کے لئے ہے اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے خبر، مبتداء پر مقدم ہے لہذا ان سے یہ مطلب پیدا ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں صرف اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور تنہا وہی سب اشیاء کا حقیقی، کامل اور دائمی مالک ہے۔

قرآن مجید میں، اللہ تعالےٰ کی جن صفات کا ذکر ہے اُن میں سے ایک صفت، مالکیت ہے یہ صفت صریح طور پر جن آیات میں مذکور ہے اُن میں سے ایک سورۂ فاتحہ کی آیت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے اور دوسری سورہ آل عمران کی آیت: اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ ہے۔ اور جن آیات میں اس صفت کا دلالۃ ذکر ہے وہ بیس سے زیادہ ہیں، مثلاً لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، اور لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ہ لہذا ایمان باللہ میں ضروری ہے ——— کہ دوسری صفات کی طرح اللہ کی صفت مالکیت پر بھی ایمان ہو، یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کو کائنات کی ہر شے میں ہر قسم کے تصرف کا کلی، حقیقی اور دائمی اختیار ہے، اس کا ہر تصرف درست ہے اور اُس کے کسی تصرف پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں بلکہ ایک مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے ہر تصرف پر راضی رہے اور اُسے صحیح یقین کرے، نیز یہ اعتقاد رکھے کہ اُس کی ملکیت میں جو اشیاء ہیں اُن کا وہ حقیقی مالک نہیں بلکہ مجازی مالک ہے لہذا وہ ان میں ہر طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ صرف وہ تصرفات کر سکتا ہے جو مالک حقیقی کی مرضی کے مطابق ہوں، بالفاظ دیگر وہ اپنی مملوکہ چیزوں میں ہر تصرف کا اختیار نہیں رکھتا بلکہ صرف اُن تصرفات کا اختیار رکھتا ہے جن کا اللہ مالک حقیقی نے اسے اختیار دیا ہے۔ اور یہ کہ اُس کے بعض تصرفات جائز اور بعض ناجائز ہیں اور بحیثیت مسلمان کے وہ پابند ہے کہ جائز تصرفات کرے اور

ناجائز تصرفات سے بچے ۔

غرضیکہ جس طرح ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالٰے کی دوسری ہر صفت پر ایمان لانا اور اُس کا اقرار کرنا ضروری ہے اس طرح اللہ کی صفت مالکیت پر اعتقاد رکھنا اور اس کا اقرار کرنا بھی ضروری ہے حتیٰ کہ جو اللہ کی اس صفت کا انکار کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا بلکہ دائرہُ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے ۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حقیقی مالک کسی شے کا وُہ ہو سکتا ہے جس نے اُس شے کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا ہو اور چونکہ اللہ ہی نے ہر شے کو پیدا کیا اور وہی ہر شے کا خالق اور موجد ہے لہٰذا اللہ ہی ہر شے کا حقیقی مالک ہے اور انسان چونکہ کسی چیز کا خالق اور موجد نہیں لہذا وہ کسی چیز کا حقیقی مالک بھی نہیں انسان کسی شے کا خالق نہیں، یہ بات حقیقت واقعہ کے عین مطابق اور بالکل صحیح ہے ۔

یہ واقعہ ہے کہ انسان کسی بڑی چیز کو تو کیا ایک ذرے تک کو پیدا نہیں کر سکتا، انسان کو اللہ تعالٰے نے فکر و عمل کی جو صلاحیتیں بخشی ہیں اُن کے ذریعے جو کچھ کرتا یا کر سکتا ہے صرف یہ کہ تحلیل و ترکیب کے عمل سے مادی اشیاء کی شکلوں کو ادلتا بدلتا ہے اور ان میں نئے نئے تغیر و تبدل کا باعث بنتا ہے، گویا ایک انسان کے ذریعے عالم موجودات میں اگر کسی چیز کا اضافہ ہوتا ہے تو وہ صرف ان تغیرات و تبدلات کا ہوتا ہے جو اس کی سعی و محنت سے وجود میں آتے اور مادی اشیاء کے ساتھ مختلف شکلوں میں قائم ہو جاتے ہیں ۔

مثال کے طور پر لوہے کو لیجئے جس سے ہم اپنی زندگی میں بہت کچھ فائدہ اُٹھاتے ہیں ۔ جہانتک اُس کے قدرتی مادے کا تعلق ہے یعنی اُن ذرّات کا جن کے مرکب کو لوہا کہا جاتا ہے انسان اُس کا ایک ذرہ بھی کبھی پیدا نہیں کر سکتا، ایک انسان جو کرتا، یا کر سکتا ہے وُہ یہ کہ وہ اللہ کے پیدا کردہ لوہے میں عمل ترکیب و تحلیل کے ذریعے تصرف کر کے اُس سے مختلف شکلوں کے آلات و اوزار بناتا اور اپنی ضروریات کے اسباب تیار کرتا ہے، اس طرح انسانی سعی و عمل سے جو نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں وُہ صرف وُہ تغیرات و تبدلات ہوتے ہیں جو مختلف شکلوں میں قدرتی مواد کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں، بنا بریں اگر ایک

انسان کسی چیز کا مالک کہلا سکتا ہے تو صرف اُن تغیرات و تبدلات اور اُن مختلف شکلوں کا کہلا سکتا ہے جو بظاہر اُس کی سعی و محنت سے وجود میں آتے ہیں، بظاہر کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ تغیرات و تبدلات بھی اللہ ہی کی تخلیق سے پیدا ہوتے اور وہی اُن کا بھی خالق ہوتا ہے ۔ کیونکہ وہ بے شمار اسباب و عوامل جن پر انسانی سعی و محنت کا دار و مدار ہے جیسے ہوا، روشنی، حرارت اور غذائی اشیاء وغیرہ ظاہر ہے کہ اگر ان میں سے ایک شے بھی موجود نہ ہو تو نہ صرف یہ کہ انسان کوئی سعی و محنت نہیں کر سکتا بلکہ سرے سے زندہ ہی نہیں رہ سکتا، سب کے سب اللہ کے پیدا کردہ اور اسی کی قدرت و اختیار میں ہیں ۔ نیز وُہ دماغی و جسمانی صلاحیتیں بھی تو اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں جن کے ذریعے انسان سعی و محنت کرتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالٰے ہے: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور اُس کو جو تم کرتے ہو یعنی اللہ ہی تمہارا خالق بھی ہے اور تمہارے اعمال کا خالق بھی، اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی اعمال اور اُن سے پیدا ہونے والے نتائج و اثرات کا خالق بھی دراصل اللہ ہی ہے ۔ یہ بات قرآن حکیم کی ایک دوسری آیت سے بھی صاف ثابت ہوتی ہے وہ آیت یہ ہے: اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ ۝ اور اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے، اور چونکہ انسانی سعی و محنت اور اُس کے اثرات و نتائج بھی لفظ شے کا مصداق ہیں لہذا کُلِّ شَیْءٍ کے اندر وُہ بھی آجاتے ہیں لہذا اِس آیت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ انسانی سعی و محنت اور اس کے اثرات و نتائج کا خالق بھی درحقیقت اللہ ہی ہے ۔ اور وہی اُن کا حقیقی مالک بھی ہے ۔

انسانی ملکیت جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں حقیقی ملکیت نہیں بلکہ مجازی ملکیت ہے اسی طرح مستقل بالذات ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی حقیقی اور مستقل ملکیت کے تابع اور ماتحت ملکیت ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی شے میں اللہ کی ملکیت اور انسان کی ملکیت دونوں جمع ہو سکتی ہیں اور ایک ہی شے حقیقی ملکیت کے لحاظ سے اللہ کی مملوک اور مجازی ملکیت کے لحاظ سے انسان کی مملوک ہو سکتی ہے اور اُن میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ مجازی مالک اپنی مملوکہ شے میں کسی ایسے تصرف کا مجاز نہیں ہوتا جو مالکِ حقیقی کی

مرضی کے خلاف ہو، اسی طرح چونکہ اللہ کی ملکیت میں ذاتی انتفاع کا تصور نہیں لہذا وہ انسانی ملکیت کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے جس میں ذاتی انتفاع کا تصور ہے، یہی وجہ ہے کہ دو شخصوں کی دو مستقل ملکیتیں ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ دونوں کے اندر مالک کے ذاتی انتفاع کا تصور موجود ہوتا ہے لہذا اُن میں تعارض اور ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور کسی ایک کی بھی ملکیت عملاً متحقق نہیں ہوتی ۔

فقہاء اور علمائے قانون نے شخصی ملکیت کی جو تعریفیں لکھی ہیں ان سب کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کا کسی شخص کے لئے اس طرح مخصوص ہونا کہ وُہ شخص تو اُس میں تصرف کر کے فائدہ اُٹھا سکے لیکن کسی دوسرے کے لئے اُس کی اجازت کے بغیر اُس شے میں تصرف کرنا اور اُس سے فائدہ اٹھانا جائز نہ ہو، بالفاظ دیگر، کسی شے سے انتفاع و استفادے کے حق کا کسی شخص کے لئے مخصوص ہونا کہ دوسرا کوئی اس کی رضا مندی کے بغیر اس شے سے انتفاع و استفادہ نہ کر سکے ۔

انسان کی شخصی ملکیت کا یہی وُہ مفہوم و مطلب ہے جو دنیائے انسانیت میں ہمیشہ متعارف رہا اور انسانی معاشرے اس کو مانتے اور اس پر عمل کرتے رہے، یہ دوسری بات ہے کہ کہیں اس کو رواج کے تحت ۔ کہیں وضعی قانون کے تحت اور کہیں شریعت الٰہیہ کے تحت مانا اور تسلیم کیا گیا، قرآن حکیم بھی اسی معنے و مطلب کے لحاظ سے فرد کی شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا اور اُس کے متعلق اپنے مخصوص احکام دیتا ہے ۔ یعنی قرآن حکیم یہ تسلیم کرتا ہے کہ بعض اسباب کی بنا پر، بعض اشیاء، خاص افراد و اشخاص کے انتفاع و استفادے کیلئے مخصوص ہو جاتی ہیں چنانچہ وُہ خاص افراد و اشخاص، اُن اشیاء میں ہر ایسا تصرف کر سکتے ہیں جو دنیوی یا اُخروی لحاظ سے مفید اور نفع بخش ہو البتہ کوئی ایسا تصرف اُن کے لئے بھی جائز نہیں ہوتا جو مُضر اور نقصان دہ ہو ۔ لیکن دوسرے افراد و اشخاص، اُن اشیاء میں اُس وقت تک نہ کوئی تصرف کر سکتے اور نہ اُن سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جب تک کہ اُن خاص افراد و اشخاص کی طرف سے اُن کو اجازت نہ ہو ۔ اور اگر وُہ بلا اجازت مالکانہ تصرف کریں اور اُن سے فائدہ اٹھائیں تو شرعاً مجرم اور گنہگار قرار پاتے ہیں ۔

قرآن حکیم کے نزدیک انسانی ملکیت کی جو حقیقت اور حیثیت اور اُس کا جو مفہوم و مطلب ہے اُس کی کچھ تفصیل اور وضاحت ہو جانے کے بعد اب میں، مسئلہ ملکیت کے دوسرے پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، یعنی یہ کہ وہ اسباب کیا ہیں جن کی بنا پر قرآن حکیم افراد کی انفرادی اور شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا اور وُہ اسباب کیا ہیں جن کی بنا پر وُہ انفرادی اور شخصی ملکیت کو تسلیم نہیں کرتا، اور میں سمجھتا ہوں یہ پہلو خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور اس پر غیر معمولی توجہ دینے کی ضرورت ہے ۔

اس سلسلہ میں پہلی بات جس کا ذکر ضروری ہے وُہ یہ کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات ہیں جن سے صاف واضح ہوتا ہے کہ کائنات ارضی میں جتنی بھی اشیاء ہیں وُہ عناصر ہوں یا جمادات، نباتات ہوں یا حیوانات، وہ سب کی سب اشیاء اللہ تعالےٰ نے بنی نوع انسان کے تمتع و انتفاع کے لئے پیدا فرمائی ہیں، ایسی قرآنی آیات میں سے چند یہ ہیں :

آیت	ترجمہ
(۱) هُوَالَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّافِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ه البقرہ	اللہ وُہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی سب چیزوں کو پیدا فرمایا ۔
(۲) وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ه البقرہ	اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت تک ۔
(۳) وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ه الرحمٰن	اور زمین، اس کو خاص وضع سے بنایا اور رکھا زندہ مخلوقات کے لئے ۔
(۴) وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ه اعراف	اور بے شک ہم نے زمین میں تمہیں ٹھہرایا اور ٹھکانا دیا اور اُس میں تمہارے لئے سامانِ معاش مہیا کیا ۔
(۵) وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ه النحل	اور چوپائے کہ اللہ نے پیدا کیا ان کو تمہارے لئے، اُن میں گرمی کا سامان ہے یعنی اُون اور بہت سے منافع ہیں اور بعض

اُن میں سے وہ ہیں جنہیں تم کھاتے ہو، یعنی اُن کا گوشت ۔

(۶) وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۔ البقرہ و ابراہیم	اور اُس نے برسایا آسمان سے پانی، پس نکالے اُس کے ذریعے مختلف قسم کے پھل رزق کے طور پر تمہارے لئے.
(۷) هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ○ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ○ النحل	اللہ وُہ ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا، اس میں سے کچھ تمہارے پینے میں آتا ہے کچھ سے درخت اگتے ہیں جو تم مویشیوں کو چراتے ہو، وُہ اس پانی کے ذریعے غلے کی کھیتیاں اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور کے درخت اور انگور اور ہر قسم کے پھل میوے، بلاشک اس میں بڑی نشانی اور ہدائت ہے اُن کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں.
(۸) اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ	حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اُس کا کھانا تمہارے فائدے کے لئے .
(۹) وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا مَتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ○	اس کے بعد زمین کو ہموار کر کے بچھایا، اس میں سے پانی نکالا اور چارہ اُگایا اور پہاڑوں کو مضبوطی کے ساتھ جمایا تمہارے فائدے کے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے .
(۱۰) اِنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا	بے شک ہم نے خوب پانی برسایا، پھر زمین کو پھاڑا، پھر اس میں اُگایا

فِیْهَا حَبًّا ○ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ○ وَّ زَیْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ○ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ○ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ○	غلہ، انگور، ترکاریاں زیتون، کھجور اور گھنے باغ اور پھل اور چارہ تمہارے فائدہ کے لئے اور تمہارے مویشیوں کے فائدہ کے لئے ۔

ان قرآنی آیات کے سیاق و سباق اور مضمون پر غور کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ ان میں جو خطاب ہے وُہ کسی خاص رنگ و نسل اور خاص زمان و مکان سے تعلق رکھنے والے انسانوں سے مخصوص نہیں بلکہ سب انسانوں کے ساتھ اُس کا یکساں تعلق ہے اس لئے بھی کہ ان آیات میں جن قدرتی اشیاء کا ذکر ہے وہ بعض انسانوں کی احتیاج اور ضرورت سے نہیں بلکہ سب انسانوں کی حاجت و ضرورت سے تعلق رکھتی ہیں، در اصل ان چیزوں پر ہر انسان کی حیات و بقا اور نشو و نما کا دار و مدار اور انحصار ہے ۔ اور اس لئے بھی کہ جس اللہ کی طرف ان اشیاء کے پیدا اور مہیا کرنے کی نسبت ہے وہ بعض انسانوں کا نہیں بلکہ سب انسانوں کا یکساں رب اور پروردگار ہے ۔ نیز اسلئے بھی کہ قرآن مجید، کسی زمان و مکان سے تعلق رکھنے والے مخصوص افراد کی ہدایت کے لئے نہیں بلکہ ہر زمان و مکان اور ہر نسل و قوم سے تعلق رکھنے والے سب انسانوں کے لئے کتاب ہدایت ہے، لہٰذا مذکورہ قرآنی آیات کا مطلب یہ قرار پایا ہے کہ اِن کے اندر جن اشیاء اور وسائلِ رزق کا ذکر ہے وُہ تمام بنی نوع انسان کے تمتع اور انتفاع کے لئے عام ہیں اور نوع انسان کا ہر ہر فرد اُن سے متمتع ہونے اور فائدہ اٹھانے کا مساوی حق رکھتا ہے، اس طرح ان آیات میں گویا اس اصول کا اعلان ہے کہ قدرتی اشیاء سے فائدہ اٹھانے اور نفع حاصل کرنے کا دنیا کے ہر انسان کو یکساں حق ہے اور ہر انسان کے لئے اس کا موقع ہونا چاہیئے ۔

اسی طرح قرآن حکیم میں کچھ آیات اس قسم کی بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کائنات کی ہر شئے کا حقیقی مالک اور بادشاہ ہے انسان کو زمین میں خلیفہ اور بادشاہ بنایا ہے، اس کا ایک مطلب یہ کہ اُس نے انسان کو ایسی دماغی اور جسمانی صلاحیتیں اور فکری و عملی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن کے ذریعے وُہ کائناتِ ارضی کی تمام مخلوقات میں تصرف

کر سکتا اور اُن سے خدمت لے سکتا اور فائدہ اُٹھا سکتا ہے چنانچہ یہ وُہ حقیقت ہے جس کا عام طور پر مشاہدہ ہو رہا ہے، اس حقیقت کو لفظ خلافت سے تعبیر کر کے گویا انسان کو اس پر متنبہ کیا گیا ہے کہ وُہ اپنے تصرفات میں بالکل آزاد اور خود مختار نہیں بلکہ حقیقی بادشاہ کی مرضی کا پابند ہے اور اللہ چونکہ فساد و تخریب نہیں چاہتا بلکہ اصلاح و تعمیر چاہتا ہے لہذا انسان کو چاہیئے کہ وُہ ایسے تصرفات عمل میں لائے جو تعمیری اور مفید ہوں، اور ایسے تصرفات سے بچے جو تخریبی اور مُضر ہوں، بالفاظ دیگر صرف ایسے تصرفات کرے جن سے قدرتی اشیاء کی قدرتی افادیت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو اور انسان کو زیادہ فائدہ پہنچے۔ اس قسم کی قرآنی آیات کی تعداد آٹھ ہے اور اُن میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ۝ الانعام	وُہ اللہ جس نے تمہیں زمین کے خلیفے اور بادشاہ بنایا۔
(۲) اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۝ النمل	اللہ کے سوا کون ہے جو پریشان حال کو اس کی پکار کا جواب دیتا اور اس کی پریشانی کو دُور کرتا ہے اور جو تمہیں زمین کے خلفاء اور بادشاہ بناتا ہے؟
(۳) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ۝ فاطر	وُہ اللہ وُہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفے اور بادشاہ بنایا، پس جس نے اس نعمت کی ناشکری کی، اُس کی ناشکری کا ضرر اس پر ہوگا۔

اس مضمون کی آیات سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ نے انسان کو اپنی مخلوقات میں تصرف کی قدرت اور اجازت عطا فرمائی ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اجازت انسان کو صرف ایسے تصرف کے لئے دی گئی ہے جو مفید اور نفع بخش ہو اور جس سے قدرتی اشیاء کی افادیت میں اضافہ ہوتا ہو، نیز ان آیات سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ قدرتی اشیاء

میں مفید تصرف کی اجازت چونکہ نوع انسان کے لئے ہے لہذا ہر فرد انسان کو یہ اجازت حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ تعالے یہ چاہتا ہے کہ ہر انسان اس اجازت سے فائدہ اُٹھائے تاکہ اللہ تعالے نے اس کو جو دماغی و جسمانی اور فکری و عملی صلاحیتیں دی ہیں وُہ بے کار ضائع نہ ہوں۔

اس پہلی بات میں جو دو قسم کی قرآنی آیات پیش کی گئی ہیں اُن کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالے نے جو ہر شے کا خالق اور حقیقی مالک اور بادشاہ ہے اپنی مملوکہ اشیاء سے نوع انسان کے ہر ہر فرد کو فائدہ اُٹھانے اور فائدے کی خاطر اُن میں مفید تصرف کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے لہذا ہر انسان ہر قدرتی شے میں تصرف کر کے اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اس میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح و تخصیص حاصل نہیں بلکہ سب انسان یکساں اور برابر ہیں، بالفاظ دیگر ان آیات سے یہ اصولی تصور پیدا ہوتا ہے کہ جب تک کوئی قدرتی چیز اپنی قدرتی حالت اور شکل پر باقی اور برقرار ہو کوئی انسان اُس کا مالک نہیں کہلا سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ وُہ چیز اُس کے انتفاع و استفادے کے لئے مخصوص ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری بات جو قرآن حکیم سے دلالۃً اور احادیث نبویّہ سے صراحۃً سامنے آتی ہے وُہ یہ کہ جب کوئی شخص دوسروں سے پہل و سبقت کر کے کسی قدرتی شے میں ایسا تصرف کرتا ہے جس سے اس کی قدرتی ہیئت و شکل بدل جاتی اور اُس کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا ہے تو وُہ شے اس شخص کے انتفاع و استفادے کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے اور اب دوسرا کوئی اس شخص کی رضامندی کے بغیر اُس شے سے استفادہ نہیں کر سکتا، بالفاظ دیگر وُہ شخص اس شے کا مالک بن جاتا ہے اور وُہ شے اس کے مالکانہ تصرف کے لئے مخصوص ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر دریا کے پانی کو لیجئے جب تک وُہ دریا میں اپنی قدرتی حالت پر رہتا ہے اُس کا ایک ایک قطرہ نوع انسان کے ہر ہر فرد کے استفادہ کے لئے مباح عام ہوتا ہے لیکن جب کوئی شخص آگے بڑھ کر دریا کا کچھ پانی اپنے گھڑے وغیرہ میں اٹھا لیتا ہے تو چونکہ اس سے اس کی قدرتی حالت میں تغیر اور افادیت میں اضافہ ہو جاتا ہے لہذا یہ اُٹھایا ہوا پانی اس شخص کے استفادہ کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے اور وُہ اس کا مالک قرار پاتا ہے، ایسی

ہی مثال جنگلی جانوروں، قدرتی پھلوں اور ترکاریوں وغیرہ کی ہے جب کوئی شخص دوسرے سے سبقت کر کے جنگل جاتا اور وہاں سے کوئی جانور پکڑ اور پھل وغیرہ توڑ کر آبادی میں لے آتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے اس کی قدرتی حالت بدلتی اور اس میں ایک نئی افادیت پیدا ہوتی ہے یعنی اب اُس جانور یا پھل وغیرہ سے فائدہ اٹھانا آسان ہو جاتا ہے بنسبت اس کے کہ وہ جنگل میں اپنی قدرتی حالت پر تھا لہذا یہ جانور یا پھل جو پہلے مباح عام کی حیثیت رکھتا اور ہر انسان کے فائدے کے لئے عام تھا اب اُس خاص شخص کے فائدہ کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔

مذکورہ اصول جن احادیث نبویہؐ سے صراحتہً ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک حدیث یہ ہے: مَنْ سَبَقَ الی مالم یسبق الیہ احد فھولہ جو تصرف کے لئے پہلے پہنچ گیا اُس شے کی طرف جس کی طرف پہلے کوئی دوسرا نہیں پہنچا تھا پس وُہ شے اُس کے استفادہ کے لئے مخصوص ہو گئی، ایک اور حدیث جو زمین کے متعلق ہے فرمایا: مَنْ اَحْیَا اَرْضًا مَیِّتَۃً فَھِیَ لَہٗ ہ جس نے بنجر و غیر آباد زمین کو آباد کیا وُہ اُس کے لئے مخصوص ہو گئی۔ دوسری حدیث کے الفاظ ہیں فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا، پس وُہ اُس خطہ زمین کا بنسبت دوسروں کے زیادہ حقدار ہو جاتا ہے، یعنی اس خطہ زمین سے انتفاع و استفادے میں اس کو دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہو جاتی ہے جس کا نام شخصی ملکیت ہے۔

قرآن حکیم میں اس اصول کا ذکر اگرچہ صراحتہً موجود نہیں لیکن التزاماً اور دلالتہً ضرور موجود ہے وُہ اس طرح کہ قرآن حکیم میں اس حقیقت کا بار بار بیان ہے کہ ہر انسان اپنے اچھے بُرے اور مفید و مضر اعمال و افعال کے نتائج و اثرات کا خود حقدار ہے، اچھے اور مفید اعمال پر دُنیا اور آخرت میں جو اچھے اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں وُہ بھی اُس کیلئے اور بُرے اور مضر اعمال پر دنیا و آخرت میں جو بُرے اثرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں وہ بھی خود اُس کیلئے ہیں، سورۃ بقرہ میں فرمایا:

(١) لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ، — اُس کے اچھے عمل و کسب کا فائدہ بھی اُسی کے لئے اور بُرے کسب و عمل کا ضرر بھی اُسی کی گردن پر،

(٢) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا ہ — جس نے اچھا کام کیا اُس کا فائدہ اُس کے لئے ہے اور جس نے بُرا کام کیا اُس کا ضرر اُس پر ہے۔

ص۔ فُصِّلَتْ والجاثیہ

اس بارے میں قرآن مجید کی وُہ آیت بڑی اہمیت رکھتی ہے جس میں حصر کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ ہر انسان کی سعی و محنت کا فائدہ صرف اسی کے لئے ہے دوسرے کے لئے نہیں، وُہ آیت یہ کہ: لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ، انسان کے لئے نہیں مگر وُہ جو اُس نے سعی کی۔ یہاں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآن حکیم کی اس قسم کی آیات کا مطلب نہایت وسیع اور جامع ہے اور انسان کی دنیوی اور اُخروی دونوں زندگیوں سے تعلق رکھتا اور دونوں کے امور و معاملات پر حاوی ہے، لہذا اُس کو صرف اُخروی زندگی یا صرف دنیوی زندگی سے مخصوص کر دینا صحیح نہیں، کیونکہ قرآنی تعلیمات کا مقصد محض انسان کی اُخروی فوز و فلاح نہیں بلکہ اُخروی کے ساتھ دنیوی فوز و فلاح بھی ہے اگرچہ وُہ اخروی فوز و فلاح کو اصل اور بنیادی اہمیت دیتا ہے، لہذا مذکورہ قسم کی آیات کا مطلب یہ بنتا ہے کہ انسان کی فکری اور عملی سعی و محنت پر جو اچھے اور مفید اثرات و نتائج دنیا میں مرتب ہوتے ہیں یا جو آخرت میں مرتب ہوں گے وُہ سب اُس کی ذات کے لئے ہیں اور اسی کو اُن سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے، اور یہ کہ کسی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وُہ دوسرے کی سعی و محنت کے اثرات و نتائج سے بغیر اس کی رضامندانہ اجازت کے فائدہ اُٹھائے۔ غور سے دیکھا جائے تو قرآن حکیم کا یہ تصور انسانی فطرت کے عین مطابق اور عقلی طور پر ایک بالکل صحیح تصور ہے، کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ انسان شعوری اور اختیاری طور پر جو بھی سعی و عمل کرتا ہے صرف اُس وقت کرتا ہے جب اُس کو یہ یقین یا ظنِ غالب ہوتا ہے کہ اُس سعی و عمل کے اثرات و نتائج سے اُس کو مادی یا روحانی یا دنیوی و اُخروی کوئی فائدہ پہنچے گا بلکہ ذرا اور گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو ذاتی فائدے کا شعور ہی وُہ اصل محرک نظر آتا ہے جو انسان کو کسی اختیاری اور ارادی

سعی وعمل پر آمادہ کرتا ہے اور جس کی تحریک سے انسان مشکل سے مشکل کام بخوشی کر لیتا ہے، ایک انسان بظاہر دوسروں کے فائدہ کے لئے جو سعی وکوشش کرتا ہے دراصل اُس کی تہہ میں بھی یہ خیال کارفرما ہوتا ہے کہ اس سے اُس کو اللہ کی خوشنودی، اُخروی سعادت، دنیا میں عزت وشہرت حاصل ہوگی، گویا وُہ اپنے اختیار اور ارادے سے جو کچھ بھی کرتا ہے اپنی ذات کے لئے کرتا ہے، لہذا قرآن حکیم کا یہ فرمانا کہ ہر انسان کی سعی اس کے لئے اور اس کا فائدہ اس کے لئے مخصوص ہے انسانی فطرت کی صحیح ترجمانی ہے۔

اسی طرح یہ بات عقل ودانش اور عدل انصاف کے بھی عین مطابق ہے اس لئے کہ ایک انسان جب کوئی دماغی جسمانی محنت ومشقت کرتا ہے تو اس میں اس کی انرجی و توانائی صرف ہوتی اور وُہ زحمت وتکلیف اٹھاتا ہے لہذا عقل اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس محنت ومشقت کا ثمرہ اور فائدہ بھی اسی کیلئے ہونا چاہیئے دوسرے کسی کے لئے جائز نہ ہو کہ وُہ اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر اُس سے فائدہ اٹھائے۔

اور ظاہر ہے کہ انسان کے لئے اس کی سعی ومحنت کے اثرات وثمرات مخصوص اور محفوظ ہونے کی جو عملی صورتیں ہوسکتی ہیں اُن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ جس قدرتی شے کے ساتھ کسی انسان کی سعی ومحنت کے اثرات وابستہ ہوجائیں وُہ شے اُس انسان کے فائدہ کے لئے مخصوص اور محفوظ ہو جس کا دوسرا نام ملکیت ہے۔ اور چونکہ یہ بھی ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ جب کوئی شخص دوسروں سے پہل اور سبقت کر کے کسی قدرتی شے کو اپنے قبضہ میں لیتا اور اپنے تصرف اور ردوبدل سے اس میں ایک نئی افادیت پیدا کرتا ہے تو اس میں اُس کو سعی ومحنت کرنی پڑتی ہے جس کے اثرات اُس قدرتی شے کے ساتھ خاص شکل میں وابستہ ہوجاتے ہیں: مثلاً جب وہ جنگل میں جاتا اور وہاں سے کوئی لکڑی اُٹھا کر شہر میں لے آتا ہے تو اس جانے آنے اور لکڑی کا اٹھا کر لانے میں اسے محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے اور اس محنت ومشقت کے اثرات اُس تغیر وتبدّل کی شکل میں اس لکڑی کے ساتھ وابستہ ہوجاتے ہیں جو آبادی میں آنے کے بعد رونما ہوا ہے۔ لہذا اس شخص کے لئے اُس کی اس سعی محنت کے اثرات صرف اس طرح مخصوص اور

محفوظ ہوسکتے ہیں کہ وُہ لکڑی اُس کے لئے مخصوص اور محفوظ ہو اور اس سے فائدہ اُٹھانے کے حق میں اُس کو دوسروں پر ترجیح اور تخصیص ہو، اسی طرح جو شخص ایک بنجر وغیر آباد خطۂ زمین کو آباد کرتا ہے ظاہر ہے کہ اس خطۂ زمین کے ساتھ اس کی سعی ومحنت کے اثرات قائم اور وابستہ ہوجاتے ہیں لہذا ان اثرات کے اُس شخص کے حق میں محفوظ اور اس فائدہ کے لئے مخصوص ہونے کی صرف یہی صورت ہوسکتی ہے کہ وُہ خطۂ زمین اُس کے استفادہ کے لئے مخصوص ہو جس کے ساتھ اسکی سعی ومحنت کے اثرات وابستہ ہیں، لہذا مذکورہ قرآنی آیات سے جہاں بطور اقتضاء النص اور دلالت التزامی کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس قدرتی شے کے ساتھ کسی شخص کی سعی ومحنت کے مفید اثرات وابستہ ہوجائیں وُہ شے اُس شخص کے انتفاع واستفادہ کے لئے مخصوص ہوجاتی اور وُہ شخص اُس کا مالک بن جاتا ہے، وہاں آیاتِ قرآنیہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جس سبب کی بنا پر کوئی شخص کسی قدرتی شے کا مالک قرار پاتا ہے وُہ سبب انسانی سعی ومحنت ہے جبکہ وُہ مفید ہو، مطلب یہ کہ صرف وُہ سعی ومحنت سبب ملکیت بنتی ہے جو مفید ہو جس سے اُس شے میں کچھ نئی افادیت پیدا ہوئی ہو، مُضر محنت، سببِ ملکیت نہیں بنتی اور اُس کی بنا پر کوئی شخص کسی قدرتی شے کا مالک قرار نہیں پاتا۔

اس دوسری بات میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس کا حاصل یہ کہ قرآن وحدیث کی رو سے ابتدائی ملکیت، جو کسی شخص کو کسی قدرتی شے کے متعلق حاصل ہوتی ہے کا سبب صرف انسان کی مفید سعی ومحنت ہے دوسری کوئی چیز نہیں، یعنی محض ایسے قبضہ سے کوئی شخص کسی قدرتی چیز کا مالک نہیں قرار پاتا جس سے اُس شے کی قدرتی حالت اور شکل میں کوئی مفید تغیر وتبدل پیدا نہ ہوا ہو، نیز ایسے تغیر وتبدل سے بھی کوئی شخص کسی قدرتی شے کا مالک نہیں بنتا جو مُضر اور نقصان دہ ہو۔

جب انسان کی مفید محنت کو کسی قدرتی شے کی شخصی ملکیت کا اصل سبب تسلیم کر لیا جائے تو اُس سے عقلی طور پر یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ شخص کی یہ ملکیت دائمی اور ناقابلِ زوال نہیں ہوتی بلکہ صرف اُس وقت تک کے لئے ہوتی ہے جب تک اُس قدرتی مادے کے ساتھ اُس کی سعی ومحنت کے اثرات قائم رہتے ہیں چنانچہ جب وُہ اثرات کسی وجہ سے زائل

ہوجائیں تو وُہ ملکیت بھی زائل ہوجاتی ہے، مثلاً کسی شکار کو جنگل یا دریا سے پکڑ کر لانے کے بعد وُہ شخص اس کو واپس چھوڑ دیتا ہے اور وُہ پھر جنگل یا دریا میں چلا جاتا ہے تو اس کے متعلق جو ملکیت حاصل ہوئی تھی وُہ زائل اور ختم ہوجاتی ہے۔ یا ایک غیر آباد خطۂ زمین کو آباد کرنے کے بعد بہت عرصہ تک چھوڑ دیتا ہے یہانتک کہ اُس کی تقریباً وُہ شکل ہوجاتی ہے جو آباد کرتے وقت تھی تو سببِ ملکیت یعنی محنت کے مفید اثرات ختم ہوجانے سے اس شخص کی ملکیت بھی ختم ہوجاتی ہے، اَب دوسرا جو اس کو آباد کرے وُہ اُس کا مالک بن جاتا ہے۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ کہ ایک شخص کو اپنی مفید سعی ومحنت کے اثرات کیوجہ سے کسی قدرتی شے کے متعلق جو ملکیت حاصل ہوتی ہے قرآن حکیم کے نزدیک وُہ قابل انتقال ہوتی ہے یعنی وُہ شخص اپنی ملکیت کو دوسرے شخص کی طرف منتقل کرسکتا ہے اور وُہ دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے لیکن قرآن حکیم کے نزدیک انتقال کے صرف وہی طریقے جائز اور صحیح ہیں جن میں مالک کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے؛ قرآن مجید میں ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا	اے ایمان والو آپس میں ایک
تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ
بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ	کہ وُہ تجارت کے ذریعے باہمی
تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ	رضامندی سے ہو۔(النساء)

ایک حدیث نبوی میں ہے: لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِطِيْبِ نَفْسِهٖ ٥ کسی مسلمان کا مال لینا حلال نہیں مگر یہ کہ اس کی رضامندی سے ہو۔ بہرحال قرآن وحدیث کی رو سے انتقالِ ملکیت کے صرف وہی طریقے صحیح ہیں جن میں مالک کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے اور چونکہ ———————

حقیقی رضامندی صرف اُن ہی طریقوں میں موجود ہوتی ہے جن میں مالک کے لئے مادی یا روحانی، دنیوی یا اُخروی معاوضہ موجود ہوتا ہے، مطلب یہ کہ ایک انسان اپنی مملوکہ شے دوسرے کو رضا وخوشی کے ساتھ صرف اُس وقت دیتا ہے جب اُسے وثوق اور اطمینان ہوتا ہے کہ اس کو کسی نہ کسی شکل میں اُس کا معاوضہ ملے گا، وُہ معاوضہ زرونقدی

کی شکل میں ہو یا اجناس اور مصنوعہ ساز وسامان کی شکل میں، خدمت وراحت کی شکل میں ہو یا عزت وشہرت کی شکل میں، اللہ کی رضا وخوشنودی کی شکل میں ہو یا اُخروی اجروثواب کی شکل میں، بہرحال وُہ کسی شکل میں اپنی مملوکہ شے کا معاوضہ ضرور چاہتا ہے اور یہ اس کی فطرت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی، لہذا قرآن حکیم نے انتقال ملکیت کے صرف وہی طریقے جائز قرار دیئے ہیں جن میں مالک کے لئے کسی نہ کسی شکل میں معاوضہ موجود ہوتا ہے، اور عام حالات میں ایسے طریقے اُس کے نزدیک پانچ ہیں؛

پہلا طریقہ، تجارت اور بیع وشراء کا طریقہ ہے جس میں دونوں فریق، اپنی مرضی خوشی سے اپنی اپنی چیز کا ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے ہیں۔ اور چونکہ اس میں ہر مالک کے لئے اس کی مملوکہ چیز کا مادی معاوضہ موجود ہوتا ہے ایک کے لئے نقد کی صورت میں اور دوسرے کے لئے کسی جنس اور سامان کی شکل میں، لہذا فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہے، قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں تجارت اور بیع وشرار کی جو تعلیم اور ترغیب ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معاملہ ایک بالکل صحیح اور مشروع معاملہ ہے۔

دوسرا طریقہ، نوکری اور ملازمت کا طریقہ ہے جس میں ایک شخص کی طرف سے خدمت ہوتی ہے اور دوسرے کی طرف سے اس کا مادی معاوضہ ہوتا ہے، چونکہ اس میں ہر فریق کے لئے اس کی چیز کا معاوضہ موجود ہوتا ہے لہذا حقیقی رضامندی بھی پائی جاتی ہے، قرآن مجید میں متعدد آیات اور کتب حدیث میں بکثرت روایات ہیں جن سے اس معاملہ کے جائز اور مشروع ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

تیسرا طریقہ، صدقے اور ہدیے کا طریقہ ہے جس میں ایک شخص اپنی مملوکہ چیز دوسرے کو تبرعاً دیتا اور احتراماً پیش کرتا ہے، اس طریقہ میں مالک کے لئے گو مادی معاوضہ موجود نہیں ہوتا لیکن معنوی اور روحانی معاوضہ ضرور موجود ہوتا ہے، اُسے یقین ہوتا ہے کہ اس کو آخرت میں اس کا اجروثواب ضرور ملے گا اور دنیا میں بھی عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ قرآن حکیم اور حدیث نبوی میں صدقے اور ہدیے کی تاکید اور ترغیب اور اس پر بڑے اجروثواب کی بشارت ہے جو اُس کے نہ صرف مشروع بلکہ عظیم نیکی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

چوتھا طریقہ، قرض وادھار کا طریقہ ہے جس میں ایک شخص اپنا مال دوسرے ضرورتمند شخص کو ازراہ ہمدردی وخیر خواہی اس عہد وپیمان کے ساتھ دیتا ہے کہ مقررہ میعاد کے بعد وُہ مال یعنی اس کا مثل اُسے واپس لوٹایا جائے گا، چونکہ اس طریقہ میں بھی مالک کو مقررہ وقت کے بعد مال واپس مل جاتا ہے نیز وُہ سمجھتا ہے کہ اس ہمدردی اور نیک تعاون کے بدلے اُسے آخرت میں بھی اجر وثواب ملے گا لہذا اس کی حقیقی رضامندی موجود ہوتی ہے، قرآن وحدیث میں بکثرت ایسی نصوص ہیں جن میں قرض حسنہ کا حکم اور اس کی فضیلت اور اس پر اُخروی اجر وثواب کا وعدہ ہے۔

پانچواں طریقہ، وصیت اور وراثت کا طریقہ ہے جس میں ایک شخص کی موت کے بعد اُس کی متروکہ اشیاء اُس کے ورثاء کو ملتی ہیں۔ اس طریقہ میں بھی غور سے دیکھا جائے تو متوفی کی رضامندی موجود ہوتی ہے وُہ اس طرح کہ جس کے لئے وصیت کی جاتی ہے وُہ یا تو اُس کی کسی خدمت اور اہلیت کی وجہ سے کی جاتی ہے یا اس کی ہمدردی اور خیر خواہی کی غرض سے کی جاتی ہے۔ بہرحال موصی یعنی وصیت کرنے والے کے لئے ماضی میں یا مستقبل میں مادی یا روحانی بدلہ موجود ہوتا ہے، اسی طرح ایک مُورث یہ جانتے ہوئے کہ اس کے مرنے کے بعد اُس کی متروکہ املاک اس کے ورثاء کو مل جائیں گی۔ مال جمع کرتا اور محفوظ رکھتا ہے تو وُہ گویا صلہ رحمی کے جذبہ سے یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا مال اس کے ورثاء کو ملے اور وُہ اس کے مالک قرار پائیں اور بلاشبہ وُہ اس پر اُخروی اجر وثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

بہرحال عام اور پُرامن حالات میں یہ ہیں وُہ پانچ طریقے جن کو اسلام انتقالِ ملکیت کا سبب مانتا اور اُن کے ذریعے منتقل شدہ شے کا ایک شخص کے بعد دوسرے شخص کو مالک تسلیم کرتا ہے، اور جنگ کی حالت میں، کفار کا جو مالِ غنیمت مسلمانوں کو ملتا ہے اُس کے متعلق اسلام مسلمانوں کی ملکیت کو ایک دوسرے اصول کے تحت تسلیم کرتا ہے اور وُہ ہے: کفار کے اعتداء کے جواب میں اعتداء اور ان کی بُرائی کے بدلے میں بُرائی جائز ہے، قرآن حکیم میں ہے:

(۱) فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ،
جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو لیکن اتنی ہی جتنی کہ وُہ کرے، (البقرہ)

(۲) جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا۔ (الشوریٰ)
بُرائی کا بدلہ بُرائی جائز ہے لیکن برابر ہونا ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ جو کفار مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں اُن کا یہی عزم ہوتا ہے کہ وُہ غلبہ پانے کے بعد مسلمانوں کے اموال کو اپنی ملکیت میں لے لیں گے لہذا مذکورہ اصول کے تحت مسلمانوں کے لئے جائز ہو جاتا ہے کہ وُہ فتح پانے کے بعد ان کفار کے اموال کے مالک قرار پائیں اور یہ عقل وقیاس اور عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔

قرآن حکیم انتقال ملکیت کے ایسے طریقوں کو جائز اور صحیح تسلیم نہیں کرتا جن میں مالک کے لئے اس کی شے کا کسی شکل معاوضہ موجود نہیں ہوتا لہذا اس کی حقیقی رضامندی مفقود ہوتی ہے جیسے سرقہ، غصب، خیانت، رشوت، سُود اور قمار وغیرہ سود اور جوئے میں جو رضامندی ہوتی ہے وُہ ظاہری طور پر ہوتی ہے حقیقی طور پر نہیں ہوتی، اس کی دلیل یہ ہے کہ جس کے پاس اپنا مال حسب ضرورت موجود ہو وُہ کبھی کسی سے سود پر مال نہیں لیتا، اسی طرح اگر جوئے میں حقیقی رضامندی ہوتی تو جوئے بازوں کے درمیان ہار جیت کے بعد لڑائی جھگڑے ظہور میں نہ آتے، مطلب یہ کہ سرقہ، غصب، خیانت، رشوت سُود اور جُوئے کے ذریعے جو شخص دوسرے کا مال لیتا ہے قرآن حکیم کے نزدیک وُہ اس مال کا مالک نہیں بن سکتا اور اس کی طرف پہلے شخص کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔

اس بارے میں قرآن حکیم سے جو اصولی ضابطہ سمجھ میں آتا ہے وُہ یہ کہ جو شخص، کسی دوسرے کا مال اُس کی بے خبری میں پوشیدہ طور پر چُراتا، یا دھوکا وفریب دے کر ظاہری طور پر اُس سے لے لیتا ہے یا جو اپنی طاقت کے بل بوتے پر کمزور سے زبردستی چھین لیتا ہے، یا دوسرے کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا کچھ مال وغیرہ لے لیتا ہے وُہ اُس مال کا مالک نہیں قرار پاتا اور اُس کی طرف ——— اُس

مال کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی بلکہ حسب سابق وہ ملکیت پہلے مالک ہی کو حاصل رہتی ہے
واضح رہے کہ موجودہ دَور میں دوسرے کی مجبوری سے فایدہ اور ناجائز انتفاع حاصل کرنے کی جو بہت سی شکلیں ہیں ان میں سے ایک نمایاں شکل وہ ہے جو ذرائع پیداوار کے مالکان اور اُن کے ہاں کام محنت کرنے والے مزدوروں کے درمیان پائی جاتی ہے، مزدوروں کی محنت کی حقیقت میں جتنی اُجرت ہوتی ہے کارخانہ دار وغیرہ ان کو کبھی وُہ پوری اُجرت نہیں دیتے بلکہ اس کا ایک حصہ دیتے اور باقی خود رکھ لیتے ہیں، مالکان اور مزدوروں کے درمیان جو معاہدے طے پاتے ہیں اُن میں مزدوروں کی جہالت اور مجبوری کا ضرور دخل ہوتا ہے، مزدور جب یہ دیکھتے ہیں کہ وُہ مستاجر کی مقرر کردہ اُجرت پر کام نہیں کریں گے تو معاشی پریشانی میں مبتلا ہوں گے اور بھوکوں مریں گے لہذا مجبوراً مستاجروں کی مرضی کے مطابق کام کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، غرضیکہ مالکان مزدوروں کی مجبوری کی بنا پر اُن کے حق کا جو حصہ ان کو نہیں دیتے بلکہ خود رکھ لیتے ہیں اُس کے وہ جائز مالک نہیں ہو سکتے۔

آخر میں مسئلہ ملکیت کے تیسرے پہلو کو لیجیے یعنی یہ کہ قرآن حکیم جس شخصی ملکیت کا قائل ہے کیا اُس کا دائرہ صرف اشیائے صرف اور ذاتی استعمال کی چیزوں تک محدود ہے یا ذرائع پیداوار بھی اُس میں شامل ہیں؟ اس کے متعلق جو کچھ کہ میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ کہ قرآن کا فلسفۂ ملکیت جو میں نے اسباب ملکیت کی بحث میں عرض کیا ہے اُس کی رو سے جس طرح کوئی شخص اشیائے صرف اور نجی استعمال کی چیزوں کا مالک قرار پاتا ہے اسی طرح ذرائع پیداوار اور وسائل آمدنی کا بھی مالک قرار پا سکتا ہے مثلاً جس مفید محنت کی بنا پر دریا سے پکڑی ہوئی ایک مچھلی کا مالک قرار پاتا ہے اسی طرح وُہ اس خطۂ زمین کا بھی مالک قرار پاتا ہے جس کو وُہ اپنی محنت سے آباد کرتا اور قابل کاشت بناتا ہے، نیز جس طرح وُہ خرید و فروخت کے ذریعے اپنے استعمال کی گھڑی کا مالک بنتا ہے اسی طرح وُہ ایک فیکٹری اور کارخانے کا بھی بن سکتا ہے جس کو اُس نے اپنے مملوکہ مال سے خریدا ہو۔

ذرائع پیداوار میں سے جہاں تک زمین کا تعلق ہے اُس کی شخصی ملکیت کے بارے میں قرآن و حدیث میں نہایت واضح نصوص ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت

کی رُو سے زمین کی شخصی ملکیت جائز اور درست ہے، اِس بارے میں کچھ قرآنی نصوص یہ ہیں:

(١) وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا — الکھف	اُن سے بیان کیجیے دو شخصوں کا قصہ ایک کے لئے ان میں سے ہم نے بنائے دو باغ انگوروں کے، جن کے گرد کھجوروں کی باڑھ لگائی اور درمیان کاشت کی کھیتی رکھی۔
(٢) وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَؤُهَا۔ — الاحزاب	اور اللہ نے تمہیں یہود کی زمینوں، اُن کے مکانوں اور دوسرے ہر قسم کے مالوں کا وارث بنایا، اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے پہلے قدم نہ رکھا تھا۔
(٣) اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ ہ	صبح سویرے چلو تم اپنے کھیت پر اگر تم اس کو کاٹنے والے ہو۔

پہلی آیت میں لفظ "لِاَحَدِهِمَا" میں جو لام ہے وہ تملیک و تخصیص کے لئے ہے۔ لہذا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص باغوں اور زمینوں کا مالک تھا، اس قصے میں آگے بھی کئی الفاظ ہیں جو ملکیت پر دلالت کرتے ہیں جیسے "اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا" اور جَنَّتَهٗ اور جَنَّتَكَ کیونکہ یہ اضافت تملیک ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔

دوسری آیت میں لفظ اَوْرَثَ بھی ملکیت پر دلالت کرتا ہے اور اَرْضَهُمْ کی اضافت سے بھی زمین کا ان کی ملکیت میں ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ ایسی اضافت ملکیت ہی کے لئے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ عملاً ہوا بھی ایسا ہی کہ یہود کے جانے کے بعد ان کی جائیدادوں وغیرہ کے مسلمان مالک قرار پائے۔

تیسری آیت میں لفظ حَرْثِكُمْ بھی زمین کی ملکیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اس میں جو اضافت ہے وُہ تملیک و تخصیص کے لئے ہی ہو سکتی ہے۔

بہرکیف، شخصی ملکیت کے متعلق قرآن مجید کا جو کلی اور اصولی تصور ہے اُس سے بھی اور مذکورہ جزوی آیات سے بھی زمین کی شخصی ملکیت ثابت ہوتی ہے، اگر زمین کی شخصی ملکیت قرآن حکیم کے نزدیک جائز نہ ہوتی تو وُہ ضرور اس کو بیان کرتا اور نہایت واضح الفاظ میں بیان کرتا کیونکہ اُس کے نزول کے وقت عرب اور مدینہ منورہ میں ملکیت زمین کا عام رواج اور اس پر پوری طرح عمل درآمد تھا، مزارعت کا رواج بھی ملکیت زمین کی دلیل تھا، باقاعدہ اس کی خرید و فروخت ہوتی اور ہبہ اور وقف بھی کی جاتی تھی اس بارے میں کتب حدیث کے اندر بکثرت روایات ہیں، اگر ملکیتِ زمین ناجائز اور ممنوع ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح مزارعت کو ممنوع قرار دیا اس طرح ملکیتِ زمین کو بھی ضرور ممنوع قرار دیتے لیکن ایسا نہیں ہوا، یعنی کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے ملکیتِ زمین کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہو۔

جو حضرات ملکیت زمین کے قائل نہیں وُہ اپنے موقف کی تائید میں بعض دفعہ قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ بے شک زمین اللہ کے لئے ہے، حالانکہ اس آیت سے ان کے موقف کی تائید نہیں ہوتی، اس لئے کہ آیت کا دوسرا ٹکڑا ہے: يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۝ وُہ اس کا وارث بناتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ انسانی ملکیت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ الٹا اثبات ہوتا ہے کیونکہ وراثت کے مفہوم میں ملکیت داخل ہے، اور پھر جیسا کہ پہلے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا ایک شے بیک وقت حقیقی معنے کے لحاظ سے اللہ کی ملکیت اور مجازی معنی کے لحاظ سے انسان کی ملکیت ہو سکتی ہے ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں اور ایک کے ثبوت سے دوسری کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ کسی شے کے متعلق ایک شخص کی ملکیت کے اثبات سے دوسرے شخص کی ملکیت کی نفی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بعض حضرات زمین کی شخصی ملکیت کی نفی میں قرآنی آیت: وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝ کو بھی پیش کر دیتے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ اس آیت کے معنی ہیں: اللہ نے زمین کو خاص وضع سے بنایا، یا رکھا مخلوقات کے لئے، یعنی تمام جاندار مخلوق کے لئے، کیونکہ انام کے معنے صرف انسانوں کے نہیں بلکہ تمام زندہ مخلوقات کے ہیں۔ اس

آیت کا جو معنی و مفہوم ہے حقیقت واقعہ کے عین مطابق ہے وُہ اس طرح کہ کُرہ زمین کی جو قدرتی بناوٹ و ساخت اور طبعی وضع و شکل ہے اور نظام شمسی میں اُسے جہاں رکھا گیا ہے اُس کے ساتھ جانداروں کی زندگی، نشوونما اور فطری ضرورتوں کا نہایت گہرا تعلق ہے اور گوناگوں قدرتی فائدے ہیں جو جانداروں کو از خود زمین سے حاصل ہوتے ہیں، اور یہ فائدے اس صورت میں بھی حاصل رہتے ہیں جب اُس کا کوئی قطعہ کسی شخص کی ملکیت میں ہو۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کی ملکیت دیگر جانداروں کو اس زمین کے عام اور خاص فائدوں سے محروم نہیں کرتی بلکہ کچھ ممد و معاون ہی بنتی ہے مثلاً ایک شخص اپنی مملوکہ زمین کاشت کر کے اس سے جو غلہ وغیرہ پیدا کرتا ہے اس سے بے شمار جاندار فائدہ اٹھاتے ہیں جن میں وُہ خود اور اس کا خاندان وغیرہ بھی ہوتا ہے، غرضیکہ زمین کا جانداروں کے فائدہ کے لئے ہونا، زمین کے کسی ٹکڑے کی شخصی ملکیت کے منافی نہیں یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع ہو سکتی ہیں۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ قرآن و حدیث کے نظریۂ ملکیت کی رو سے جس طرح کوئی شخص، ذاتی استعمال کی کسی چیز کا مالک بن سکتا ہے اسی طرح ذرائع پیداوار یعنی زمین اور فیکٹری وغیرہ کا بھی مالک بن سکتا ہے، البتہ عقلی طور پر کچھ فرق ہو سکتا ہے تو وُہ صرف تصرف کے لحاظ سے ہو سکتا ہے، اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ کہ جن چیزوں کے وجود کا اصل مقصد شخصی فائدہ ہوتا ہے جیسے اشیائے صرف، عقل کی رو سے مالک ان کے اندر ہر وُہ تصرف کر سکتا ہے جو اُن کے مقصدِ وجود کے مطابق اور شخصی فائدے کے لئے ضروری ہو، لیکن جن اشیاء کے وجود کا مقصد عامۃ الناس کا فائدہ ہوتا ہے اور عام لوگوں کی ضرورت ان سے وابستہ ہوتی ہے اُن کے اندر ان کا مالک صرف ایسے تصرفات کا مجاز ہوتا ہے جو مفاد عامہ کے منافی نہ ہوں بلکہ اُس کے موافق ہوں، یعنی وُہ اُن میں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس سے مفاد عام کو نقصان پہنچا ہو، مثلاً زمین ایک ایسا ذریعہ پیداوار اور ایک ایسی چیز ہے جس کی پیداوار عامۃ الناس کی ضرورت سے تعلق رکھتی اور جس کا مقصد وجود، عام لوگوں

کا فائدہ ہے لہذا اگر عامۃ الناس کو مثلاً گیہوں یا چاول کی ضرورت ہے تو مالک زمین محض اپنے فائدہ کی خاطر اُس میں گنے تمباکو وغیرہ کی کاشت نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک ٹیکسٹائل مِل کا مالک اپنے مِل میں کوئی ایسا تصرف نہیں کر سکتا جو مقصدِ مِل کے منافی ہو اور جس سے عامۃ الناس کو ضرر اور نقصان پہنچتا ہو مثلاً کپڑے کی ضرورت ہو تو وہ اس کو بند نہیں رکھ سکتا، جس کپڑے سے اجتماعی ضرورت پوری ہو سکتی ہو وہی تیار کر سکتا ہے دوسرا نہیں کر سکتا۔ اس طرح اُن مفاسد کا سدباب ہو جاتا ہے جو ذرائع پیداوار کی شخصی ملکیت سے پیدا ہوا کرتے ہیں جب کہ اُن کا مالک اُن میں ہر تصرف کے لئے آزاد ہوتا ہے۔

تحریر: محمد طاسین

ایک ضروری وضاحت

سالانہ قرآن کانفرنسوں کے اس سلسلے کے انعقاد کی غرض یہ ہے کہ مختلف اہل علم اور ذی رائے حضرات کو اپنے افکار و خیالات کے آزادانہ اظہار کا موقع فراہم کیا جائے۔ نتیجۃً اس میں پیش کئے جانے والے مقالات یا تقاریر میں ظاہر کئے جانے والے خیالات کی پوری ذمہ داری مقررین اور مقالہ نگار حضرات ہی پر ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کو ان تمام خیالات و نظریات سے کامل اتفاق ہو۔

اسرار احمد

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

اِحْیائے اِسْلام اور تجْدِیْدِ ملّت کیلیے

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کا تجویز کردہ طریقِ کار

بروایت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دُنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے۔ ایک ان کا قرآن چھوڑ دینا، دُوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً و معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لیے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں۔ بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے۔ اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔"

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

ماخوذ از وحدتِ امت، تالیف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، شائع کردہ مکتبہ 'المنبر' لائلپور

ملّت کے ایک اور عظیم فرزند

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم

کی رائے جو اس دَور میں ظاہر ہوئی جب وہ جمیع اسلامیانِ ہند کی آنکھ کا تارا تھے اور انہوں نے ابھی انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اختیار نہ کی تھی:

" اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علّتِ حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگا دے کہ صرف ایک ہی علّتِ اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل و اسباب پر حاوی اور جامع ہو۔ تو اس کو بتایا جاسکتا ہے کہ علماءِ حق و مرشدینِ کاملین کا فقدان اور علماءِ سُوء ومفسدین دجّالین کی کثرت ـــــ رَبَّنَا اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا ٥

اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جُملہ میں اس کا علاج کیا ہے؟ تو اس کو امام مالک کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیئے کہ " لا یصلح اٰخر ھٰذہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا " یعنی اُمّتِ مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی، تاوقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی وحقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد

ماخوذ از 'البلاغ' جلد اوّل، شمارہ اوّل مورخہ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء

اُمّت مسلمہ کی زبوں حالی کا اصل سبب اور اس کے جملہ امراض کا واحد علاج

حکیمِ مشرق علّامہ اقبال مرحوم

کے اشعار کی روشنی میں

با یاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسینِ اُو آساں بمیری

خوار از مہجوریٔ قرآں شُدی ـــــ شکوہ سنج گردشِ دوراں شُدی

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ ـــــ در بغل داری کتابِ زندۂ

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ـــــ نیست ممکن جز بقرآں زیستن

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ـــــ ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

مثلِ حق پنہاں وہم پیدا ست اُو ـــــ زندہ و پائندہ و گویا ست اُو

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شُد جہاں دیگر شود

قرآن حکیم کے علم و حکمت کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہماری حقیر سی کوششیں

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر موسّس، مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

کے لاہور میں

۳ ہفتہ وار درسِ قرآن

۱ ہر جمعہ کو قبل از نماز جمعہ: **جامع مسجد یونیورسٹی نیو کیمپس میں**

—— جس میں مطالعہ قرآن حکیم کا ایک منتخب نصاب زیرِ درس ہے

۲ ہر ہفتہ کی شام بعد نماز عصر: **مسجد خضراء، سمن آباد میں،**

—— جس میں بحمداللہ قرآن حکیم کے چودہ پاروں کا درس مکمل ہو چکا ہے اور اس وقت سورۂ بنی اسرائیل زیرِ درس ہے۔

۳ ہر اتوار کی صبح: **مسجدِ شہداء، ریگل چوک میں**

—— جس میں قرآن مجید ابتداء سے سلسلہ وار زیرِ درس ہے۔
اور اس وقت سورۂ آلِ عمران زیرِ درس ہے!

نوٹ: تینوں اجتماعات میں خواتین کے لئے پردے کا انتظام ہوتا ہے

واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ماہانہ سفر کراچی کے باعث ہر انگریزی ماہ کے دوسرے اتوار اور اس سے متصلاً قبل جمعہ اور ہفتہ کے پروگراموں کا ناغہ رہے گا